کہاں گیا وہ آخری مُکّا

عرفان صدیقی

اس نے کس طمطراق سے کہا تھا: ''آخری مُکّا میرا ہی ہوگا۔''

اور ۱۸ر فروری کے انتخابات کے ٹھیک چھے ماہ بعد ۱۸ر اگست کو اس نے یہ مُکّا خود اپنے رخسار پر رسید کیا اور درد کی شدت سے اشکبار آنکھیں لیے رخصت ہو گیا۔

آمر کا یہ زعم ''مُکّا زنی'' بے جا نہ تھا، اسے پورا یقین تھا کہ اس کی طاقت کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ آٹھ برس تک وہ اقتدارِ مطلق اور اختیارِ کلی کے مزے لیتا اور مُکّے لہراتا رہا۔ فوج کی وردی، کھال بن کر اس کے وجود کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ نیب اور خفیہ ایجنسیوں کی ٹکسال میں ڈھالا گیا سیاسی طائفہ اس کے اشارۂ ابرو پر رقص کر رہا تھا۔ پارلیمنٹ اس کے خوابوں میں تعبیر کا رنگ بھرنے کے لیے ہلکان ہو رہی تھی۔ وزیراعظم اس کا ذاتی ملازم، کابینہ اس کی کنیز، بیوروکریسی اس کی خادمہ، عدلیہ اس کی خاکروبہ، آئین اس کی جیب کی گھڑی، قانون اس کے ہاتھ کی چھڑی، ایجنسیاں اس کے دربار کی رقاصائیں، ریاستی ادارے درباری گویّے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان اس کی بے مہار خواہشوں کی چراگاہ تھا۔ وہ ایک ناقابلِ شکست باکسر کی طرح مُکّے چلتا اور کشتوں کے پشتے لگاتا رہا۔ وہ خود ہی انتظامیہ، خود ہی مقنّنہ اور خود ہی عدلیہ تھا۔ انتظامیہ ایسی کہ وہ کاغذ کے ایک پرزے پر دستخط کر کے منتخب صدرِ مملکت کو گھر بھیج سکتا اور دوسرے کاغذ پر دستخط کر کے اپنے آپ کو صدر بنانے پر قادر تھا۔ مقنّنہ ایسی کہ وہ اپنے دفتر کی میز پر بیٹھ کر، کسی مشروب کی چسکیاں لیتے ہوئے آئینِ پاکستان میں من مانی ترامیم کر سکتا تھا اور عدلیہ ایسی کہ وہ اپنے غیر آئینی ''انقلاب'' کے جواز اور باوردی انتخاب کے لیے دو چیف جسٹس صاحبان سمیت ۶۶ ججوں کو گھر بھیج سکتا اور بیشتر کو بال بچوں سمیت قید میں ڈال سکتا تھا۔ بے پناہ اور بے کراں طاقت نے اس کی کمانڈو سوچ کو دو آتشہ کر کے خناس میں بدل دیا۔ اس کی آمرانہ خُو بُو کے اندر رعونت کا ایسا بارود بھر گیا کہ طاقت آزمائی اور مُکّا زنی کو اس نے ہر مسئلے کا حل سمجھ لیا۔ وزیراعظم کو مُکّا، آئین کو مُکّا، پارلیمنٹ کو مُکّا، عدلیہ کو مُکّا، سیاسی مخالفین کو مُکّا۔ قائداعظم کے پاکستان کو اس نے باکسنگ رِنگ میں بدل دیا۔ ہاتھوں پر فولادی دستانے چڑھائے وہ تن تنہا للکارتا ''مُکّے'' لہراتا، خون کے چھینٹے اڑاتا اور قہقہے لگاتا رہا۔ ۱۸ر فروری کے انتخابات کے بعد بھی اسے یقین تھا کہ جب وہ

مُکّا لہرانے پہ آئے گا تو سلطانیٔ جمہور کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا اور جمہوریت کا خون آلود لاشہ اس کے قدموں میں پڑا ہوگا۔

اس نے بلوچوں سے کہا ''تمہیں اس طرح ماروں گا کہ تمہیں پتا ہی نہیں چلے گا کہ کس شے نے ہٹ کیا'' اور اس نے اکبر بگٹی جیسے مردِ طرحدار کو اسی طرح مار ڈالا۔ اس نے ملک کے مقبول سیاسی رہنماؤں کے بارے میں کہا ''میں انھیں کک لگاؤں گا'' اس نے صرف ایک بار آئینی تقاضے کی پاسداری کرتے ہوئے پارلیمنٹ سے خطاب کیا اور اپوزیشن کو ''مُکّے'' دکھا کے آ گیا۔ ۱۲ مئی کو کراچی میں پچاس شہری گولیوں سے بھون ڈالے گئے اور اس نے شاہراہِ دستور پر ''مُکّے'' لہراتے ہوئے کہا ''عوامی طاقت کا مظاہرہ تھا'' اس نے فاختاؤں جیسی معصوم بچیوں کے بہیمانہ قتل کا حکم صادر کر کے اپنی ''مُکّا زنی'' کی دھاک بٹھائی اور پھر ڈھٹائی سے کہا ''ضرورت پڑی تو میں پھر یہی کچھ کروں گا۔'' اس نے بے نظیر بھٹو کو دھمکی دیتے ہوئے کہا ''آپ کی سلامتی اور سیکورٹی کا انحصار ہمارے ساتھ تعلقات پر ہے۔'' اس نے سپریم کورٹ کے واضح حکم کو حقارت سے ٹھکراتے ہوئے نواز شریف کو دوبارہ جدہ بھیج دیا۔ اس نے اس قدر بے رحمی کے ساتھ ''مُکّے'' چلائے کہ پاکستان کے انگ انگ پر نیل پڑے ہوئے ہیں اور آئین مسلسل اپنے رخسار سہلا رہا ہے۔

اس روز اسلام آباد کے آسمان پر بادل کا کوئی ہلکا سا ٹکڑا بھی نہ تھا۔ دھوپ نے اس کی نیلاہٹ میں اضافہ کر دیا تھا۔ میں گہرے پانیوں میں غرق ہونے والے ٹائی ٹینک کی دم کے آخری سرے کو ڈوبتے دیکھ رہا تھا۔ اپنی طاقت کو دائمی اور اپنے مُکّے کی ضرب کو کاری سمجھنے والا ''مردِ آہن'' خزاں کے مارے ہوئے پہلے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس کی آواز کی ساری گھن گرج کافور ہو چکی تھی۔ مُکّے برسانے والے ناتواں بازو مفلوج ہو گئے تھے۔ اس کی شعلہ بار آنکھیں آنسوؤں سے چھلک رہی تھیں اور وقت، خدا کے لہجے میں بولنے والے کی رعونت پر خاک ڈال رہا تھا۔

اس کی ایک کم نصیبی یہ رہی کہ اسے کسی بھی شعبے میں باوقار، آبرومند، ذہین، صاحبِ نظر، محترم اور معتبر ساتھی نہیں ملے۔ نقب زنوں کے ٹولے تھے جو سیاست، معیشت، عدالت، آئین، قانون، داخلی مسائل اور خارجی امور کی صورت گری کر رہے تھے۔ اس کی آخری تقریر بھی اس کے کسی ایسے ہی بے ہنر درباری کی نااہلیت کا شاہکار تھی۔ اس نے ہر شعبہ ہائے زندگی میں اپنے ''شاندار کارناموں'' کی ایک لمبی فہرست پیش کی۔ تاثر دیا کہ غریب کی ہمدردی میں اس کا سینہ شق ہونے کو ہے اور پھر دعویٰ کیا کہ اس نے پاکستان کو دنیا کا ایک باوقار اور سربلند ملک بنا دیا تھا۔ میرے ذہن میں اس کے وہ ''عظیم اقدامات'' گھوم گئے جن کے باعث پاکستان کا مرتبہ و مقام آسمانوں کو چھونے لگا تھا۔ اسی کے طفیل دنیا کو خبر ہوئی تھی کہ پاکستان ایک ایسا عظیم ملک ہے جس کا آرمی چیف نوکری بچانے کے لیے اقتدار پر قبضہ کر لیتا ہے۔ جہاں دو تہائی اکثریت رکھنے والے وزیراعظم کو صدیوں پرانے قلعے کی کال کوٹھڑی میں پھینک دیا جاتا ہے، جہاں آئین کو ردی کی ٹوکری کا رزق بنا دیا جاتا ہے، جہاں ججوں کو برطرف کر کے قید میں ڈالا جاتا ہے، جہاں پاکستانی شہریوں کو پاکستان میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا، جہاں مرضی کے فیصلوں کے لیے مرضی کی عدالتیں لگتی ہیں، جہاں ایک وردی پوش جرنیل دستور

میں من پسند ترمیمیں کرسکتا ہے، جہاں نیب کا کام سیاسی سرکس کے لیے مسخرے تلاش کرنا ہوتا ہے، جہاں چیف جسٹس آف پاکستان کو جرنیلوں کے جھرمٹ میں بٹھا کر استعفیٰ طلب کیا جاتا ہے، جہاں سیکڑوں افراد کو اٹھالیا جاتا اور برسوں کے لیے غائب کردیا جاتا ہے، جہاں کسی قانونی کارروائی کے بغیر لوگوں کو امریکہ کے ہاتھ بیچ دیا جاتا ہے، جہاں پاکستان کی بیٹیوں کو عالمی اوباشوں کے نرغے میں دے دیا جاتا ہے، جہاں ملک کی سلامتی کی ذمہ دار ایجنسیاں آمر وقت کے لیے سیاسی جماعتیں بناتی، ان کے امیدواروں کے انٹرویو کرتی، انھیں ٹکٹ بانٹتی اور انتخابات میں ان کی کامیابی کا اہتمام کرتی ہیں، جہاں قومی خزانہ بے مصرف دوروں پر اڑا دیا جاتا ہے جہاں چہیتوں پر واجب الادا اربوں روپے کے قرضے معاف کردیئے جاتے ہیں۔ جہاں پولیس چیف جسٹس کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتی ہے، جہاں حقائق کی تصویر کشی کرنے والے چینلز بند کردیئے جاتے ہیں، جہاں ناپسندیدہ اینکر پرسنز پر پابندی لگادی جاتی ہے، جہاں ملک کی آزادی، خودمختاری اور حاکمیت اعلیٰ کو غیروں کے ہاتھ رہن رکھ دیا جاتا ہے۔

اس نے پاکستان کے چہرے پر اتنی کالک تھوپ دی ہے کہ اسے دھونے کے لیے جمہوریت کے کتنے ہی شفاف دریاؤں کا پانی ناکافی ہوگا لیکن ۱۸/اگست کی سہ پہر وہ ایوانِ صدر سے رخصت ہوا تو مسلح افواج نے اسے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ وفاق کی چاروں اکائیاں اس کے خلاف عدم اعتماد کرچکی تھیں۔ بیسیوں الزامات پر مشتمل مواخذے کی قرارداد پھن پھیلائے کھڑی تھی اور پاکستان کے لوگ ایسی خوشی سے سرشار تھے جیسے پاکستان آج ہی بنا ہو لیکن وہ مسلح افواج کی سلامی لے رہا تھا، صرف اس لیے کہ کبھی وہ وردی پوش جرنیل تھا۔ پاکستان کے کسی صدر کو یہ اعزاز حاصل نہ ہوا۔ فضل الٰہی چودھری، غلام اسحاق خان، فاروق لغاری اور رفیق تارڑ میں سے کوئی لائق نہ تھا۔ مقبول منتخب وزرائے اعظم کو ہمیشہ دھکے دے کر نکالا اور مقتل یا جلاوطنیوں کی نذر کردیا گیا۔ شوکت عزیز واحد وزیراعظم تھا جسے گارڈ آف آنر پیش کرکے رخصت کیا گیا۔ یہ ہے وہ جادونگری جہاں عوام نفرتوں کی ہر علامت کو عزت وتوقیر کا مستحق سمجھا جاتا اور عوام کی مقبولیت کی ہر علامت کو ملامت بنادیا جاتا ہے۔

آج اسے پتا چل چکا ہے کہ آخری کارگر مُکّا، صرف جمہوریت کا ہوتا ہے لیکن ابھی کہانی تمام نہیں ہوئی۔ آٹھ سال دس ماہ چھے دن تک پاکستان کو اپنے مکروہ عزائم کی شکارگاہ بنائے رکھنے اور حدوشمار سے باہر جرائم کا ارتکاب کرنے والے شخص کا محاسبہ ضروری ہے۔ وہ آخری ''مُکّا'' چلانے کے لمحے کا انتظار کرتا رہا اور نہ جان پایا کہ قدرت اسے رسوائی اور جگ ہنسائی کے عبرت ناک موڑ کی طرف دھکیل رہی ہے۔ باعزت رخصتی کے درجنوں مواقع گنوا کر وہ سلطانیٔ جمہور کے کوڑے کھاتا ہوا رخصت ہوا لیکن پاکستان کا انگ انگ اپنے اوپر ڈھائے گئے مظالم کے لیے انصاف طلب ہے۔ اسے بازپرس کے بغیر چھوڑ دینا، جمہوریت سے غداری اور آمریت کی دلداری ہوگی۔ کیا پھانسیاں، جلاوطنیاں، قتل، کال کوٹھڑیاں، کوڑے، ضبطیاں، نااہلیاں اور کٹہرے صرف سیاست دانوں کے لیے ہیں؟

(مطبوعہ: روزنامہ ''جنگ'' ۲۰/اگست ۲۰۰۸ء)